ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی

ایڈس کے انسداد میں اسلام کا نقطہ نظر

ایڈس ایک مہلک مرض ہے جس کے لاحق ہوجانے کے بعد مریض کے لیے موت کی آغوش مقدر ہوجاتی ہے۔ اس مرض کی شناخت سب سے پہلے افریقہ میں ۱۹۸۲ء میں ہوئی اور تاحال مؤثر اور کافی و شافی علاج کی دریافت نہ ہونے کی بناء پر ہزاروں کی تعداد میں مرد عورتیں اور بچے موت کا لقمہ بن گئے ہیں۔ عالمی تنظیم صحت (WHO) کے ماضی قریب کے ایک جائزے کے مطابق پوری دنیا میں اس وقت ۴۰،۵ کی تعداد میں ایڈس کے مریض موجود ہیں اور بیسویں صدی کے اختتام تک متوقع ہے کہ اس مرض سے متاثر افراد کی تعداد دس گنی یعنی کم و بیش چالیس ملین ہوجائے گی، جس میں پانچ ملین افراد صدی کی آخری منزل تک پہنچنے سے قبل ہی جاں بحق ہوجائیں گے۔

اس مرض کی سنگینیوں اور ہلاکت انگیزیوں سے خود کو نجات دلانے کے لیے اور پورے عالم کو محفوظ و مامون رکھنے کے لیے مغرب نے جو آواز اٹھائی ہے، وہ قابل ستایش ہے، خواہ اپنے گناہوں کے کفارے اور اپنے کرتوتوں کی تلافی کے پہلو سے اس نے اقدام کیے ہوں یا علم و تحقیق کی دنیا میں اپنی حیثیت منوانے کی غرض سے، اس کی بہ ہر حال قدر کی جانی چاہیے۔ لیکن حقائق و معارف پر نگاہ رکھنے والے لوگ اس حقیقت کا اعتراف کریں گے کہ Hiv انفکشن کی ابتدائی مرحلے میں شناخت و تحقیق، ایڈس سے متاثر مریضوں کو معاشرے کے صحت مند افراد اور ان کے وسائل استعمال سے علیحدگی و دوری محفوظ جنسی تعلقات کی تحریک و تحریص یہ سارے اقدامات اس مرض سے نجات کامل اور شفا کلی کا سبب نہیں بن سکے۔ مغرب کی مجبوری کہی جائے یا اسے عیاری و مکاری سے تعبیر کیا جائے کہ ایک طرف اپنے دیار کے مروجہ

سماجی تہذیبی حالات اور ان میں جنسی آزادی کے عروج و شباب پر ہونے اور دوسری طرف کاروباری دنیا کے معاشی مفادات کو ملحوظ رکھ کر اس نے ایڈس کے خلاف رسمی محاذ آرائی کا علم اپنے ہاتھوں میں لیا ہے۔ اس طرح جنسی بے راہ روی کے خاتمہ و انسداد کی بجائے محفوظ جنسی تعلقات کو اپنی کوششوں کا مرکز و محور بنا کر ناجائز اور غیر قانونی جنسی تعلقات و تعیشات کے لیے ایک وسیع شاہراہ اور کشادہ میدان فراہم کر دیا ہے۔

انسانی ذہن و کاوش کو سرچشمہ ہدایت مان کر معاملات و مسائل کی عقدہ کشائی کے اقدامات کیے جائیں تو یہ ممکن ہے کہ یہ وقتی طور پر دلکش اور عقل کو اپیل کرنے والے معلوم ہوں لیکن جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے اس کا نقص اور ناکارہ پن سامنے آتا جاتا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جس قانون یا ضابطے کے ماخذ انسانی عقل و فکر ہوں گے، وہ یقینا ماضی، حال اور مستقبل کے احوال و کوائف سے آگہی نہ ہونے کی بناء پر حتمی اور کلی رہ نمائی نہیں کر سکے گا اور اس طرح انسانی فکر و کاوش کا کوئی نتیجہ کامل، حتمی اور قطعی نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسانی قوانین و ضوابط پر خواہ انفرادی سطح سے ہو یا اجتماعی سطح سے علاقائی اعتبار سے ہو یا قومی سطح سے ذات پات اور برادری کے نقطہ نظر سے ہو یا پیشے اور صنعت کے اعتبار سے گروہی یا شخصی مفادات کی چھاپ قائم رہتی ہے، جس کی وجہ سے وہ علوم میں سند قبولیت کے شرف سے محروم رہتے ہیں۔ ذہن و فکر کے نقص و فساد کی موجودگی میں کسی بھی مسئلے کے حل کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا بلکہ بعض مسائل سنگین صورت حال اختیار کرتے چلے جاتے ہیں۔ ایڈس کی تشخیص اور اس کے علاج کے سلسلے میں یہ تلخ حقیقت عیاں ہے کہ مغرب نے ایڈس پر قابو پانے کے لیے جن ذرائع و وسائل کو فروغ دیا وہ فی الحقیقت ایڈس کا کچھ بگاڑ تو نہ سکے البتہ اتنا ضرور ہوا کہ جنسیات کے کاروباری اداروں کو فروغ ملا۔ اس کے خلاف آواز اٹھانے والے جرائد و رسائل اور دوسرے ذرائع ابلاغ کو وسیع تجارتی میدان ہاتھ آیا اور ناجائز جنسی تعلقات کے بازار میں اور گرمی آگئی۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

ان تلخ نتائج کے مشاہدات کے بعد اس ضابطہ زندگی کے اختیار اور اس پر عمل کی شکل باقی رہ جاتی ہے جو کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں ہے اور جس میں کسی قسم کی کمی و کوتاہی یا نقص و عیب کا شائبہ نہیں ہے۔ جو دین کامل اور نعمت عظمیٰ کی شکل میں اللہ کے آخری پیغمبر محمد عربی

صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے پوری دنیا کو ملا۔ یہ ضابطہ زندگی اس خالق دو جہاں کا ہے جو ماضی حال اور مستقبل سے پوری طرح واقف ہے۔ یہاں تک کہ دلوں کے راز سے بھی بخوبی واقف ہے اور جس کا اپنا کوئی ذاتی مفاد وابستہ نہیں ہے بلکہ اپنے بندوں کے ہی مفادات اس کے مطمح نظر ہوتے ہیں۔ چنانچہ جو قوانین و احکام یا جو ذرائع و وسائل یہ ضابطہ الٰہی اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے، فی الواقع انہیں عملی جامہ پہنادیا جائے تو یقین ہے کہ حالات خوشگوار ہوں گے اور معاشرہ امن و سکون کی دولت سے مالا مال ہوگا۔

اسلام دین رحمت ہے، اس کے دین رحمت یا ضابطہ انسانیت ہونے کا یہ تقاضا تھا کہ یہ دین تمام معاملات و مسائل میں مکمل اور کافی و شافی رہنمائی کرتا۔ چنانچہ خواہ وہ سیاسی معاملات و مسائل ہوں یا معاشی، اور انفرادی یا اجتماعی ہر شعبہ زندگی میں ہدایت و رہ نمائی دے کر اپنے نظام رحمت ہونے کا عملی ثبوت فراہم کرتا ہے۔ مسائل کے حل کے لیے دوسرے خانہ ساز یا انسانی ذہن و کاوش کے نتائج کے لیبل کی ضرورت اسے نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایمان والوں سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً (البقرہ ۲۰۸)

"اے ایمان والو! پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔"

ایک جگہ اس کے نظام رحمت ہونے کا اعلان اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (المائدہ ۳)

"اے نبی: آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے طریقہ زندگی کی حیثیت سے اسلام کو پسند کیا۔"

قرآن پاک مذہب اسلام کا دستور ہے، جس طرح مذہب اسلام پورے عالم انسانیت کے لیے نعمت عظمیٰ ہے، اسی طرح اسلام کے اس ضابطہ زندگی کی اہمیت و افادیت آفاقی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ (بنی اسرائیل ۸۲)

"اور ہم قرآن میں سے جو اتارتے ہیں وہ جو ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔"

ایک جگہ روحانی اور مادی دونوں قسم کی ہدایت و رہ نمائی کا مخزن قرار دیا جاتا ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (بنی اسرائیل: ۹)

بلاشبہ یہ قرآن راست و مناسب کی رہ نمائی فرماتا ہے۔

احادیث نبوی کو قرآن پاک کی شرح و تفصیل کا مقام حاصل ہے۔ اس لیے مسائل و معاملات میں شریعت مطہرہ کے دوسرے مستند ماخذ کی حیثیت سے احادیث نبویہ کی تشریعی حیثیت مسلم ہے۔ بخاری شریف کی کتاب الطب میں امراض اور ان سے نجات کے باب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم حیات آفرین اور حوصلہ افزا پیغام ثابت ہوتی ہے۔ ارشاد فرمایا:

ماانزل الله داء الا انزل له شفاء

اللہ تعالیٰ نے کوئی مرض ایسا نہیں نازل فرمایا جس کا اس نے علاج نہ دے دیا ہو۔

امراض سے نجات یا شفا کا ابتدائی مرحلہ مرض اور سبب مرض کی شناخت ہے۔ ایڈس اور اس طرح کے بعض دوسرے امراض کا بنیادی سبب جنسی بے راہ روی ہے۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا (الفرقان: ۴۳، ۴۴)

"کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنالیا۔ کیا تو اس کا ذمہ دار ہو سکتا ہے یا تو یہ سمجھتا ہے کہ ان میں سے بیشتر سنتے اور سمجھتے ہیں، وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ وہ جانوروں سے بھی زیادہ بہکے ہوئے ہیں۔"

تقویٰ یا خوف خدا وہ بنیادی وصف ہے جو انسان کو سیأت و منکرات سے بچا کر خیر اور بھلائی کا علم بردار بنا دیتا ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں دنیا سے متعلق اسلام کا موقف واضح اور مبرہن ہے کہ یہ دنیا دار العمل ہے، دار الجزاء نہیں ہے۔ ہر شخص اُس مسافر کی طرح ہے جو وقتی ضرورت کی تکمیل کی غرض سے منزل سے پہلے ہی کسی مقام پر فروکش ہوگیا ہو لیکن وہ اپنی اصل منزل کو کبھی فراموش نہیں کرتا ہے۔ اسی طرح من حیث المجموع انسان اس دنیا میں مسافر کی طرح ہے، اس کی حقیقی منزل آخرت کی منزل ہے۔ اسے منزل تک پہنچنے کے لیے توشہ راہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کی فکر مندی کی تلقین کی جاتی ہے:

تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (البقرہ: ۱۹۷)

توشہ راہ فراہم کرلو پس سب سے بہترین توشہ آخرت کا توشہ ہے۔

دوسری جگہ خوف خدا سے متصف زندگی کو ان مقدس الفاظ میں سراہا گیا ہے:

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ (الاعراف، ۲۶)

اور تقوی (یعنی خوف خدا) کا لباس ہی عمدہ لباس ہے۔

ایک جگہ ابدی اور لازوال زندگی کی حقیقی کامیابی کا اثاثہ قرار دیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ (الحشر، ۱۸)

اے ایمان والو! اللہ تعالی کا خوف پیدا کرو اور ہر نفس کو اس بات کے لیے فکر مند ہونا چاہیے کہ اس نے کل کی زندگی کے لیے کیا کچھ بھیج رکھا ہے لہذا اللہ کا خوف پیدا کرو۔

خوف خدا یا تقوی شب و روز کی تمام تر مصروفیات و مشاغل کو اللہ تعالی کے احکام و فرامین کے مطابق انجام دینے کا نام ہے۔ خوف خدا یا خشیت الہی کا قانون اگر دلوں کی دنیا پر حکمراں ہوجائے تو انسان کے ہر سعی و عمل سے رضائے الہی کے حصول کی ترجمانی ہوتی ہے پولیس کا ڈنڈا یا حکومت کا قانون دن کی روشنی میں، آبادی میں اور چوراہوں اور شاہراہوں پر تو مفید اور کارگر ہوسکتا ہے لیکن رات کی تاریکی میں، آبادی سے دور کسی جنگل یا ویرانے میں بالخصوص کیمپس اور گھر کی چہار دیواری میں خوف خدا ہی کنٹرولر ہوتا ہے۔ اس تقوی کی موجودگی میں امراض اور دوسری برائیوں کے خلاف آواز اٹھانے کے لیے رسمی نعروں اور اشتہارات کی ضرورت نہیں پیش آتی۔ یہاں صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات رہ نمائی کرتے ہیں، رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہاں دونوں آنکھیں زنا کا ارتکاب کرتی ہیں اور آنکھوں کا زنا یہ ہے کہ غلط منظر کو دیکھا جائے، دونوں ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا یہ ہے کہ غلط چیز پکڑی جائے، دونوں پیر بھی زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا یہ ہے کہ غلط چیز کی طرف چل کر جایا جائے اور منہ بھی زنا کرتا ہے اور اس کا زنا غیر قانونی یا غلط چیز کو منہ سے کہا جائے۔"

ہولناک امراض سے نجات حاصل کرنے کے لیے اسلام کا دوسرا نسخہ شفا تصور امانت کا استحضار ہے جس کے بارے میں قرآن پاک کی یہ آیت بڑی واضح ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا (النساء، ۵۸)

بلاشبہ اللہ تعالی تم لوگوں کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے مالکوں تک پہنچانے کی ذمہ داری انجام دو۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مقدس فرمان بھی ملاحظہ فرمائیے جس میں چھے چیزوں کی ضمانت کے بدلے میں جنت کی ضمانت دی گئی ہے، ان میں ایک ضمانت یہ چاہی گئی ہے کہ امانتوں میں خیانت نہ کروگے اور وہ حدیث بھی پیش نظر رکھی جائے جس میں امانت میں خیانت کو منافقوں کی ایک علامت قرار دیا گیا ہے۔

انسان کے جسم و جاں کا ایک ایک عضو اللہ رب العزت کی امانت ہے، انسان کی خلقت اور اس کی حیثیت سے متعلق قرآنی آیات اس حقیقت کو تشنہ وضاحت نہیں چھوڑتیں کہ انسان کائنات کے حقیقی مالک کی منصوبہ بند حکمت عملی کا شاہکار ہے۔ رب حقیقی کے ذریعے نوازی گئی جسم و جاں کی اس گراں قدر امانت کا تقاضا ہے کہ اس کی کما حقہ حفاظت کی جائے اور اسے اسی کی خوش نودی کے حصول کے لیے صرف کیا جائے۔ اس لیے کہ ہر شخص کو اس کی جواب دہی کرنی پڑے گی۔ اللہ تعالی فرماتا ہے:

اِنَّ اِلَیْنَآ اِیَابَھُمْ وَ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَھُمْ (الغاشیہ، ۲۵، ۲۶)

بلاشبہ ان کو ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے اور بلاشبہ انہیں ہمارے پاس حساب بھی دینا ہے۔

حدیث نبوی کی روشنی میں بھی صحت و فراغت متاع بیش بہا قرار پاتی ہے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صحت و خوش حالی اللہ کی ان نعمتوں میں سے دو نعمتیں ہیں جن کے حصول میں بیشتر لوگ خود مستغرق رہتے ہیں۔

ایک جگہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحت و غناء کا ذکر فرماتے ہوئے صحت کو بڑی دولت قرار دیتے ہیں:

حضرت معاذ بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوف خدا رکھنے والوں کے لیے غناء ناپسندیدہ چیز نہیں ہے اور خدا ترس انسان کے لیے صحت تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔

چونکہ اللہ کا دین ایک امانت ہے جسے ان بندگان خدا تک پہنچنا ہے جو اللہ کے دین کو نہیں جانتے۔ اس امانت کا حق ادا کرنے کے لیے طاقت و قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جسمانی اور ظاہری قوت بھی اور روحانی اور باطنی قوت بھی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بندہ خدا جو متقی و پرہیز گار ہو اور جسم و جاں کے لحاظ سے قوی تر ہو اللہ کے رسول کے بقول اللہ کی محبوبیت کی سند حاصل کر لیتا ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسم و جاں کے لحاظ سے مضبوط مومن ایک کمزور مومن سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر ہے افضل اور محبوب ہے۔"

قرآن پاک اور احادیث نبوی کی تعلیمات کی روشنی میں ایک شخص کے اندر احتساب اور جوابدہی کا شعور ابھرتا ہے اسے جب یقین ہو جاتا ہے کہ خدائے ذو الجلال کی روحانی نعمت اسلام اور مادی نعمت جسم و جاں جیسی متاع عزیز سے نوازا گیا ہے اور یوم جزا میں اس سے ان نعمتوں کے بارے میں پوچھ تاچھ ہوگی اور زندگی کا مکمل محاسبہ ہوگا تو اس کے شب و روز میں تبدیلی آجاتی ہے۔ مصروفیات و مشغولیات کا رخ بدل جاتا ہے اور سوچنے سمجھنے کے انداز تعمیری ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ (التکاثر ۸)

پھر تم لوگوں سے یقیناً اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بارے میں روز جزاء میں پوچھا جائے گا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان صحت کے صحیح اور جائز استعمال کے لیے توشہ راہ بنتا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ سوالات کے جوابات ہر ہر بندے کے لیے قیامت کے روز لازمی قرار دیے ہیں۔ جن میں ایک یہ کہ جسم و جان جیسی متاع عزیز کا استعمال تم نے کیسے کیا

صحت کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول کی مقدس تعلیمات ایک انسان کے لیے دونوں جہاں کی سعادت و کامرانی کا موجب بنتی ہیں صحت یا جسم و جاں کی امانت ہونے کا تصور ایک طرف موت کے بعد کی ابدی اور لازوال زندگی کے لیے اثاثہ فراہم کرنے کا محرک بنتا ہے تو دوسری طرف مذموم اور مخرب اخلاق جذبات و خیالات سے متنفر کرا کے صحت کی افزائش

اور حفاظت کا سبب بنتا ہے۔ جس کی بدولت اس دنیا میں کارہائے نمایاں انجام دے کر اپنا، اپنے خاندان کا اور اپنے ملک وملت کا نام روشن کر سکتا ہے۔

اسلام چونکہ دین فطرت ہے، اس لیے اس نے کسی بھی مرحلے میں انسان کی فطرت کو مجروح نہیں کیا۔ مخلوقات میں انسان کی شان انفرادیت کا خیال کرتے ہوئے اس نے کچھ حدود و قیود متعین کیے ہیں جن کے اندر رہنا ہی اشرف المخلوقات کے شایان شان ہے۔ بصورت دیگر وہ اپنے آپ کو ظلم کا ہدف بناتا ہے۔ قرآن کا بیان سنیے:

وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (الطلاق: ۱)

اور جو اللہ تعالیٰ کے حدود و قیود سے تجاوز کرتا ہے پس اس نے اپنے اوپر ظلم کیا۔

جو کوئی شخص ہوائے نفس کا اسیر ہو کر سادہ انسانیت کو تار تار کر دیتا ہے تو وہ اشرف المخلوقات کی بلندیوں سے گر کر ارذل المخلوقات کی پستیوں میں چلا جاتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ (التین: ۴، ۵)

ہم نے انسان کو اونچے مقام پر پیدا کیا پھر ہم نے اس کو نیچوں میں سب سے زیادہ نیچا بنا دیا۔

مغربی تہذیب و معاشرت کے علم بردار اور ایڈس کے ذمہ دار ادارے اس قسم کے حدود و قیود کو شرف انسانیت کے منافی سمجھتے ہیں۔ سیر و تفریح اور معاشی ہمواری کو مقصد وحید بنا کر دسیوں اور بیسیوں عورتوں اور مردوں سے تعلقات کو مغرب زدہ معاشرہ مذموم و معیوب قرار نہیں دیتا۔

اسلام رہبانیت کا قائل نہیں ہے اور نہ نفس یا فطرت کے مار ڈالنے کو ہی احسن اور معیار ایمان قرار دیتا ہے۔ البتہ ناجائز تعلقات کو معیوب و مذموم قرار دیتا ہے اور مرد و زن کے جنسی اختلاط کو میاں بیوی پر محصور کر دیتا ہے۔ رشتہ ازدواج میں منسلک کر کے ایک مرد اور ایک عورت کو اسلام اختیار دیتا ہے کہ وہ جنسی تعلقات کے ذریعے نفس کی فطری خواہش کی تکمیل کریں۔ یہ رشتہ ازدواج ایک مقدس بندھن اور اسلام کے نظام رحمت ہونے کا ایک مظہر ہے۔ اس لیے کہ ایک طرف یہ رشتہ انسان کی جنسی لذتوں کی تکمیل کا جواز فراہم کرتا ہے اور دوسری طرف ان تعلقات کے نتیجے میں ماں کے پیٹ سے محروم نہیں رکھا جاتا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

النکاح من سنتی فمن لم یعمل بسنتی فلیس منی

نکاح میری سنت ہے جس نے میری سنت پر عمل نہیں کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

ایک اور موقعے پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرماتے ہیں:

تم میں سے جو صاحب استطاعت ہو وہ شادی کرلے۔ کیوں کہ یہ نگاہوں کو جھکانے اور شرم گاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور جو اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے۔

مرد اور عورت کے مقدس بندھن میں بندھنے کے بعد دونوں ایک دوسرے کی عزت و عصمت اور شرافت و عظمت کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اسی حقیقت کو قرآن واشگاف انداز میں بشکل تمثیل پیش کرتا ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرہ، ۱۸۷)

وہ تمہارے لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو۔

شادی بیاہ کے اس مقدس رشتے کو نظر انداز کر کے جو انسان جنسی بھوک مٹانے کے لیے دوسرے ذرائع و وسائل اختیار کرتا ہے، اسے قرآن زنا سے تعبیر کرتا ہے جس کو وہ بڑا گناہ اور بدچلن قرار دیتا ہے:

ولا تقربو الزنی انه کان فاحشه وساء سبیلا (بنی اسرائیل، ۳۲)

اور اے لوگو! تم زنا کے قریب نہ جاؤ یقیناً یہ فحش اور بڑی بری روش ہے

ایک بیوی پر قناعت کرنا اگر دشوار ہو تو استطاعت اور عدل و قسط کی شرط کے ساتھ دو دو تین تین یہاں تک کہ چار چار بیویاں رکھنے کی اجازت اسلام نے دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی وثلث ورباع (النساء، ۳)

خلاصہ کلام یہ کہ ایڈس ہی نہیں بلکہ دوسرے اور تمام مہلک امراض (جن کی شناخت ہو چکی ہے، یا اب تک نہیں ہوئی ہے) سے نجات کے لیے نظام ازدواج کا قیام ایک ناگزیر ضرورت ہے یہ ضرورت صرف مذہبی ہی نہیں بلکہ سماجی اور تہذیبی بھی ہے۔ اس مقدس طریقے کی حوصلہ افزائی جنسی اختلاط کی بناء پر منتقل ہونے والی بیماریوں کے خلاف صدائے احتجاج ہی نہیں بلکہ معاشرے کو امن و سکون کی پررونق اور خوش گوار فضا میں تبدیل کرنے کے لیے ایک مستحسن اقدام ہے۔